قرآنی سورتوں میں نظم و مناسبت: فکرِ فراہی و حسین علی کا تقابلی مطالعہ

سیف اللہ ۞

برصغیر کی سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اسلامی علوم کے تمام گوشوں میں اس کے رجالِ کار کا کام کیفیت و کمیت ہر دور اعتبار سے لائق تحسین اور قابل قدر ہے۔ تفسیری ادب میں جس طرح مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۰ء) [۱] کا تصورِ نظمِ قرآن اپنی نوعیت کا منفرد تصور ہے، اسی طرح پنجاب کے شہر میاں والی سے تعلق رکھنے والی نسبتاً کم معروف شخصیت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ [۲] کا تصورِ ربط و مناسبت بھی، تفسیری ادب کی تاریخ میں، منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ سورتوں کے خلاصے اور ربط و مناسبت بیان کرنے کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ چالیس سال سے زائد عرصے تک قرآنی علوم و معارف پر تدبر و تفکر کا نتیجہ، وہ تفسیری امالی ہیں جو آپ کے تلامذہ مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نذر شاہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے **جواہر القرآن** کے نام سے مرتب کیے۔ آپ نے اپنی املائی تفسیر **بلغة الحيران في ربط آيات الفرقان** میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ الناس تک الگ الگ ارتباط و تناسب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مذکورہ مفسرین کے تصورات نظم کے تقابلی مطالعے سے قبل ضروری محسوس ہوتا ہے کہ نظم و مناسبت کے معنی و مفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔

۞ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اوکاڑہ، پاکستان۔ (saifullahfaizi@yahoo.com)

۱- مولانا حمید الدین فراہی برصغیر کے جلیل القدر عالم تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کے رشتے دار تھے۔ آپ کی وابستگی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد اور مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ وغیرہ سے رہی۔ قرآنی علوم سے آپ کو خاص شغف تھا۔ آپ نے نظم قرآن کا منفرد تصور پیش کیا جس کے مطابق آپ نے اپنی نامکمل تفسیر **نظام القرآن و تأويل الفرقان بالفرقان** لکھی۔ آپ کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے اس طرز پر مکمل تفسیر **تدبر قرآن** اردو میں تحریر کی۔

۲- مولانا حسین علی (م ۱۳۶۳ھ) وال بھچراں (ضلع میانوالی صوبہ پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دیو بند ہندوستان چلے گئے اور وہیں سے فراغت پائی۔ آپ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ قرآن کریم اور عقیدہ توحید کی تبلیغ سے آپ آپ کو خاص شغف تھا۔ آپ نے مختلف تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

نظم و مناسبت کا معنیٰ و مفہوم

خلیل بن احمد الفراہیدی نظم کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "النظم نظمک خرزا بعضه إلى بعض في نظام واحد وهو في كل شيء حتى قيل ليس لأمره نظام...والنظام العقد من الجواهر والخرز ونحوها وسلكه خيطه."[۳] (نگینوں کو آپس میں باہم حسن ترتیب سے پرونا نظم ہے اور نظم ہر چیز میں بولا جاتا ہے حتی کہ کہا جاتا ہے اس کا نظام نہیں، یعنی اس کا طریقہ درست نہیں ہے۔) اور نظام جواہرات اور نگینوں کے ہار وغیرہ کو بھی کہتے ہیں۔

لفظ نظم کے لغوی معنی کے متعلق علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"النظم التاليف وضم شيء إلى شىء آخر ونظم اللؤلؤ ينظمه نظام و نظمه الفه وجمعه فيسلک فانتظم وتنظم والنظام كل خيط ينظم به لؤلؤ ونحوه." [۴] (نظم کے معنی ہیں جوڑنا اور کسی چیز کو دوسری چیز سے ملانا۔ نظم اللؤلؤ نظمه نظما و نظمه کے معنی ہیں کسی دھاگے میں اس طرح موتیوں کو پرونا کہ ایک دوسرے سے مربوط ہو جائیں اور نظام اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں موتی اور اس طرح کی چیزیں پروئی جاتی ہیں۔)

نظم کے لغوی معانی میں یہ مفہوم زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ نظم دراصل دھاگے یا اس قسم کی چیز کو کہتے ہیں جس میں موتی پروئے جائیں۔ ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

هل هملت عيناي في الدار غدوة
بدمع كنظم اللؤلؤ المتهالک[۵]

(صبح سویرے ہی گھر میں میری آنکھوں نے ایسے آنسو بہانا شروع کر دیے
جیسے کسی لڑی سے موتی گرتے ہیں۔)

۳۔ خلیل بن احمد الفراہیدی، **كتاب العين**، تحقیق، مہدی المخزومی، ابراہیم السامرائی (مکتبۃ الھلال، س ن)، ۱۷۰۔

۴۔ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، **القاموس المحيط** (بیروت: دار الجیل، س ن)، ۴: ۱۴۔

۵۔ ابو تمام، حبیب الرحمن اوس الطائی، **ديوان الحماسة مع شرح التبريزي** (بیروت: دار القلم، س ن) ، ۲: ۱۰٦۔

الفاظ و معانی مناسب انداز اور انتہائی ترتیب کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں، ایک کڑی دوسری کڑی میں پیوست ہو، کلام میں کسی قسم کا خلا محسوس نہ ہوتا ہو، تو ایسے کلام کو کلام منظوم کہتے ہیں۔ علامہ شریف جرجانی نظم کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں: "تالیف الکلمات والجمل مرتبة المعاني متناسبة الدلالات علی حسب ما یقتضیه العقل." (مرتب معانی اور متناسب دلالات والے کلموں اور جملوں کو عقلی تقاضوں کے مطابق جوڑنا۔) وقیل: الألفاظ المترتبة المسوقه المعتبرة دلالاتها علی ما یقتضیه العقل." [۶] نظمِ قرآن کے منفرد شارح اور ترجمان علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نظم کے لیے نظام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

نظام کی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

مرادنا بالنظام أن تکون السورة کاملا واحدا ثم تکون ذات مناسبة بالسورة السابقة واللاحقة أو بالتي قبلها وبعدها علی بعد ما کما قدمنا في نظم الآیات بعضها مع بعض فکما أن الآیات ربما تکون معترضة فکذلک ربما تکون السور معترضة وعلی هذا الأصل تری القرآن کله کلاما واحدا ذا مناسبة و ترتیب في أجزائه من الأول.[۷]

نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورہ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو۔ یہی نہیں بلکہ وہ سورہ یا تو اپنے ماقبل و مابعد سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو، جیسا کہ بعض آیات کے بعض آیات کے ساتھ نظم کے سلسلے میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ چناں چہ جس طرح بعض آیات بطور جملہ معترضہ آ جاتی ہیں اس طرح بعض سورتیں بھی اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا جس کے جملہ اجزا میں شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

ابن منظور افریقی کے مطابق: "النسب: القرابة: فلان یناسب فلانا فهو نسیبه أی قریبه المناسبة المشاکلة." [۸] (نسب کا مطلب قرابت ہے جیسے کہا جاتا ہے فلاں فلاں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ وہ اس کی طرف منسوب ہے۔ یعنی نسب اور شکل و صورت اس کے قریب ہے۔)

۶- علی بن محمد بن علی الشریف الجرجانی، **کتاب التعریفات**، باب نون (بیروت: دار الکتب العلمیه، ۱۹۸۳ء)، ۲۴۲۔

۷- عبدالحمید الفراہی، **رسائل الإمام الفراهي في علوم القرآن** (اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر، ۲۰۰۵ء)، ۸۷۔

۸- ابن منظور جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی، **لسان العرب**، ب: فصل النون (بیروت: دار الکتب العلمیه، ۱۴۱۲ھ)، ۱: ۷۵۵۔

مناع القطان ربط و مناسبت کا اصطلاحی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:"المراد بالمناسبة هنا وجه الارتباط بين الجملة والجملة في الآية الواحدة بين الآيتين المتعددة أو بين السورة أو السورتين أو السور." [9] (یہاں مناسبت سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی ایک آیت کے جملوں میں، متعدد آیات میں سے دو آیات میں اور ایک سورت دو سورتوں یا متعدد سورتوں میں باہمی ربط و تعلق کا کیا سبب ہے۔)

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ علم

قرآنی سورتوں میں نظم و مناسبت کا اہتمام والتزام کرنے والے مفسرین عموما ایک سورت کے داخلی ربط اور دو سورتوں کے باہمی ربط کو موضوع بحث بناتے ہیں، فراہی مکتب فکر کی یہ انفرادیت ہے کہ ان کے یہاں قرآنی سورتوں میں نظم و ربط کے حوالے سے جامع نظریہ پایا جاتا ہے، یعنی ایک یا چند سورتوں میں ارتباط و تناسب کا اہتمام کرنے کے بجائے قرآن کریم کی سورتوں کو گروپس میں تقسیم کر کے قرآن کریم کے مجموعی نظام کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ علامہ فراہی نے اپنی کتاب **دلائل النظام** میں الكلام في نظم سور بعضها مع بعض کے زیر عنوان سورتوں کے نو گروپ قائم کیے ہیں، سورتوں کی اس گروپ بندی میں علامہ فراہی کا نظریہ ہے کہ ہر گروپ مکی سورت سے شروع ہوتا ہے اور مدنی سورت پر ختم ہوتا ہے۔[10]

مولانا احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی سورتوں کی گروپ بندی کی تعداد کے حوالے سے، رائے اپنے استاذ گرامی سے مختلف ہے۔ مولانا کے نزدیک قرآن کریم کے نو گروپ کے بجائے سات گروپ ہیں۔ تفسیر **تدبر قرآن** کے مقدمے میں، "قرآن کریم کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو" کے عنوان سے مولانا لکھتے ہیں:

> اگر سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن کریم میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر اتمام ہوتا ہے ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔[11]

۹۔ مناع خلیل القطان، **مباحث في علوم القرآن** (مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، ۱۹۹۶ء)، ۹۶۔

۱۰۔ الفراہی، *رسائل*، ۱۰۵۔

۱۱۔ امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن**، مقدمہ (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء)، ۲۵۔

جس طرح مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قرآنی سورتوں میں گروپنگ کا تصور پایا جاتا ہے، اسی طرح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی سورتوں کی تقسیم مجموعوں کے اعتبار سے ملتی ہے؛ چناں چہ مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورا قرآن پانچ گروپوں پر مشتمل ہے۔[۱۲] **بلغة الحيران** میں سورۂ سبا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

مضمون کے اعتبار سے قرآن کریم کے چار حصے ہیں، جن میں سے ہر ایک حصہ اَلحَمدُ للهِ سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے چوتھا حصہ ہے جو دو بڑے بڑے مضامین پر مشتمل ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی شفیع غالب نہیں، جو اپنی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ سے کام کرائے، سورۂ سبا میں نفی شفاعت قہری والا مضمون ہے۔

۲۔ دوسرا مضمون یہ القرآن ہے کہ جب سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ تو قضاے حاجات میں فقط ایک اللہ تعالیٰ کو پکارو، یہ حوامیم میں مذکور ہو گا۔ ان دونوں مضامین کے اختتام کے بعد ترہیب من عذاب القیامت بیان ہو گی۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مابعد حوامیم سے تا آخر پانچواں حصہ قرار دیا جائے۔ جس میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے۔[۱۳]

جواہر القرآن سورۂ سبا کے آغاز میں مولانا فرماتے ہیں: "حوامیم کے بعد تا آخر قرآن زیادہ تر تخویفات اخرویہ اور قیامت کا بیان ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ حوامیم کے بعد سے (یعنی سورۂ محمد سے) تا آخر مستقل پانچواں حصہ قرار دیا جائے۔"[۱۴] **بلغة الحيران** اور **جواهر القرآن** کی مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مجید پانچ مجموعوں میں منقسم ہے۔

جس طرح علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ ہر سورت کا عمود (مرکزی مضمون) متعین کرتے ہیں اور پھر اس سورت کی آیات کو اس عمود کے ساتھ مربوط کرتے ہیں، بعینہ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ ہر سورت کا دعوی قائم کرتے ہیں اور سورت کی آیات کی تفسیر اس انداز سے کرتے ہیں کہ آیات اس دعوی کے ساتھ مرتبط ہوتی چلی جاتی ہیں۔

۱۲۔ حسین علی الوانی، **جواہر القرآن**، مرتب مولانا غلام اللہ خان (راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ)، ۳: ۹۵۲۔

۱۳۔ حسین علی الوانی، **تسهيل بلغة الحيران في ربط آيات الفرقان**، مرتب مولانا غلام اللہ خان، تحقیق، ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف (پشاور: اشاعت اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ۲۷۸۱۔

۱۴۔ الوانی، **جواہر القرآن**، ۳۲۵۹۔

مکتبِ فراہی کے تصورِ نظم قرآن میں عمود کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ فراہی نے اپنی تالیفات میں عمود پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، عمود کے متعلق علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

علامہ فراہی کے تصور نظام القرآن میں عمود یعنی مرکزی مضمون کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ آپ کے نزدیک ہر وہ کلام جو نظام اور وحدانیت کا حامل ہے۔ اس میں عمود کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ یہی حاصلِ کلام اور مطالب کا مقصود ہوتا ہے۔ عمود سے متعلق اصولی بحث کرتے ہوئے علامہ فراہی فن النظم عمومًا کے زیر عنوان رقم طراز ہیں:

أماالعمود: فهو جماع مطالب الخطاب، فإليه مجرى الكلام وهو المحصول والمقصود منه. فليس من أجزاء الترتيبة ولكنه يسرى فيه كالروح والسر والكلام شرحه وتفصيله و إنتاجه وتعليله، وربما يحسن إخفاءه فلا يطلع عليه إلا بعد اسيفاء الكلام والتدبر فيه... لا يطلع عليه بالصحة إلا بعد رجع النظر في النظم وعلم روابط الجملات و إحاطة المطالب جملة. ثم إن وجدت العمود المفروض وفق بالنظم وأقرب إلى زيادة التوضيح وحسن التنظيم، فقد أصبت وإلا فلا بد من طلب عمود آخر. (۱۵)

نظام اور وحدانیت رکھنے والے ہر کلام کا ایک عمود ہوتا ہے) یہ پورے خطاب کے تمام مطالب کا شیرازہ اور کلام کا مقصود و مطلوب اور ماحاصل ہوتا ہے۔ عمود کلام کی ترتیب کا جزو نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس میں روح کی طرح جاری و ساری ہوتا ہے اور کلام کی (ایک ایک سطر) اسی کی شرح و تفصیل اور دلیل مہیا کرتی ہے۔ اس کو مخفی رکھنا اچھا ہوتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کے معلوم کرنے کے لیے کلام پر گہرے فکر و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ٹھیک ٹھیک واقف ہونے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی نظم کلام میں غور کرے، جملوں کے دروبست کو پہچانے اور کلام کے مطالب کا اچھی طرح احاطہ کرے۔ اس غور و فکر کے بعد جو عمود سمجھ میں آئے اس کی روشنی میں دیکھے کہ مزید تفصیل میں جانے کے بعد حسن نظام ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نظام کے ساتھ یہ مفروضہ عمود ٹھیک بیٹھ جائے تو اسے اختیار کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اسے ترک کر کے دوسرا عمود تلاش کرے۔

گویا علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمود کلام کی ترتیب کا جزو نہیں، بلکہ اس میں روح کی طرح ہوتا ہے۔ عمود کے لیے عظیم الشان بات نہیں، بلکہ سب سے زیادہ جامع بات ہونا ضروری ہے کیوں کہ وہ سورت کے تمام

۱۵- فراہی، **رسائل**، ۸۵ ؛ ترجمۂ اقتباس از خالد مسعود در امام حمید الدین فراہی، **تفسیرِ قرآن کے اصول**، ترتیب و ترجمہ، خالد مسعود (لاہور: ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث، ۱۹۹۹ء)، ۱۳۲۔

مطالب کے لیے شیرازہ کا کام دیتا ہے، ہاں بیان کے لحاظ سے وہ سورہ کے اندر سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ نور کے اندر آیت: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کو لیجیے کہ یہ کس طرح آفتابِ تاباں بن کر چمک رہی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ سورہ کے اندر عمود کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ ایک بالکل ضمنی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے عمود اس کا عورتوں سے متعلق حُسنِ ادب کی تعلیم ہے۔[۱۶]

کیا سورت کا عمود ایک ہو گا یا ایک سے زائد بھی ہوسکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی ہمیں مولانا کی اس بحث سے ملتا ہے: "عمود ہر سورت کا ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہی ایک بسا اوقات بہت سی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔"[۱۷] عمود کے متعلق علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ہر سورت کا عمود صرف ایک ہی ہوتا ہے۔[۱۸]

۲۔ عمود کلام کا حاصل اور مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔

۳۔ عمود کلام کا جز نہیں ہوتا بلکہ اس میں روح کی طرح جاری و ساری ہوتا ہے۔[۱۹]

۴۔ کلام کی حیثیت عمود کی شرح و تفصیل اور نتیجہ و تعلیل کی ہوتی ہے۔

۵۔ عمود کا کلام میں مخفی رکھا جانا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔[۲۰]

۶۔ عمود کے لیے عظیم الشان بات کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ زیادہ جامع بات ہونا ضروری ہے۔[۲۱]

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ نظمِ قرآن میں سورت کے دعوے کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مکتبِ فراہی کے یہاں عمودِ سورت کو۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دعوائے سورت کی مثال بیج اور درخت کی سی

۱۶۔ حمید الدین فراہی، **مجموعہ تفاسیر فراہی**، ترجمہ، امین احسن اصلاحی (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء) ۴۷؛ حمید الدین فراہی، **تفسیر قرآن کے اصول**، مرتب و مترجم، خالد مسعود (لاہور: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، ۱۹۹۹ء)، ۱۳۳۔

۱۷۔ فراہی، **مجموعہ**، مقدمہ نظام القرآن، ۴۷۔

۱۸۔ فراہی، **مجموعہ**، ۴۷۔

۱۹۔ فراہی، **رسائل**، ۸۵۔

۲۰۔ نفسِ مصدر۔

۲۱۔ فراہی، **مجموعہ**، ۴۷۔

ہے، جس طرح درخت کے ہر پتے اور شاخ میں بیج کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری قسم کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے، بعینہ سورت کی ہر آیت اور ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز دکھائی دیتی ہے۔[۲۲]

آپ کے شاگرد رشید مولانا طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ دعواے سورت کے لیے عمودِ سورت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ مولانا طاہر دعوے کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "دعوى السورة ما ذكر عليها الدلائل في تلك السورة والتخويف لمنكريها وهذه عمود السورة تتميز بها السورة من الآخر."[۲۳] (سورت کے دعوی سے مراد ہے جس پر اس سورت میں دلائل ذکر کیے جائیں اور اس دعوی کا انکار کرنے والوں کو خوف دلایا جائے اور یہی سورت کا عمود ہوتا ہے جس سے ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز ہوتی ہے۔) **بلغة الحیران** اور **جواہر القرآن** کے استقرائی مطالعے سے دعواے سورت کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ دعواے سورت لفظوں میں مذکور ہوگا اور کلام کا جز ہوگا۔

۲۔ ایک سورت میں ایک سے زائد دعاوی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ دو دعاوی ہوں تو دونوں مقصود بالذات ہو سکتے ہیں۔[۲۴]

۴۔ کلام میں لفظاً مذکور ہونے کے اعتبار سے، دعواے سورت دو یا تین بار بھی ذکر ہو سکتا ہے۔[۲۵]

۵۔ اگر دعوی درمیان میں ہو تو ابتدائی آیات توطئہ و تمہید ہوں گی۔[۲۶]

۶۔ سورۂ ابراہیم سے مابعد سورتوں کا دعوی آغاز میں ہوگا۔

مذکورہ عبارات علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے عمود سورت اور مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے دعوی سورت کے اصولی نوعیت کے فرق کو واضح کر رہی ہیں۔ علامہ فراہی کے نزدیک عمود سورت لفظوں میں مذکور نہیں ہوتا اور نہ ہی کلام کا جز ہوتا ہے، جب کہ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اس کے برعکس ہے۔

۲۲۔ الوانی، مقدمہ **جواہر القرآن**، ۲۔

۲۳۔ محمد طاہر پنج پیری، **العرفان في أصول القرآن** (صوابی: مکتبہ یمانیہ، ۱۴۲۸ھ)، ۶۸۔

۲۴۔ الوانی، **بلغة الحیران** ۲: ۱۳۶–۱۳۷۔

۲۵۔ الوانی، **جواہر القرآن**، ۲: ۷۹۴۔

۲۶۔ نفسِ مصدر، ۲: ۷۷۲۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک سورت کا صرف ایک ہی عمود ہوتا ہے، جب کہ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک سے زائد دعاوی ہو سکتے ہیں، بسا اوقات دو دعاوی بھی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر دعوی درمیان میں ہو تو ابتدائی آیات کی حیثیت توطئہ و تمہید کی ہوتی ہے، علامہ فراہیؒ کے یہاں ایسا نہیں ہے۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے یہاں عمود و دعوی، کلام کا مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ سورۂ ابراہیم کے مابعد سورتوں کا دعوی ابتدا میں ہو گا، جب کہ علامہ فراہی کے یہاں ایسا کوئی تصور نہیں ملتا۔ جہاں تک علامہ فراہی کے اس خیال کا تعلق ہے کہ عمود کے لیے عظیم الشان بات ہونا ضروری نہیں، بلکہ جامع بات کا ہونا ضروری ہے، تو مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ سورتوں میں "آیت توحید" کو ہی عموماً دعوائے سورت قرار دیتے ہیں۔ علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی سورتوں کے عمود **دلائل النظام** میں عمود السور إجمالا کے زیر عنوان ذکر کیے ہیں لیکن ہر گروپ کا جامع عمود ذکر نہیں کیا،[۲۷] جب کہ مولانا الوانی ہر سورت کا الگ دعویٰ قائم کرتے ہیں اور قرآنی سورتوں کے مجموعوں کے دعاوی بھی ذکر کرتے ہیں۔ مولانا جس طرح ہر سورت کا دعوی اس سورت میں موجود آیت توحید کو قرار دیتے ہیں، بعینہٖ سورتوں کے مجموعوں کے دعاوی توحید کی اقسام میں سے کسی قسم کو قرار دیتے ہیں، چناں دیکھیے:

فاتحہ تا مائدہ	انعام تا بنی اسرائیل	کہف تا احزاب
↓	↓	↓
دعوی: خالقیت	دعوی: ربوبیت	دعوی: تصرف واختیار اللہ کے لیے
سبا تا احقاف		محمد تا الناس
↓		↓
دعوی: نفی شفاعت قہری، عبادت و پکار اللہ کے لیے		دعوی: تخویفاتِ اخرویہ[۲۸]

۲۷- فراہی، رسائل، ۱۰۵

۲۸- الوانی، **بلغۃ الحیران**، ۱: ۲۔

علامہ فراہی کے نزدیک قرآن کریم کا جامع عمود "توحید" ہے۔[۲۹] اسی طرح مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی کامل قرآن کریم کا جامع دعویٰ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی توحید ہے۔[۳۰] علامہ کے حواشی، جو چند سال قبل **تعلیقات** کے نام سے دائرۂ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ سے شائع ہوئے ہیں، ان میں علامہ فراہی سورۂ حم السجدۃ کی آیت ٦: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ [۳۱] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "أسلوب الكلام ونظمه يدل على أن مقصد الكتاب هو التوحيد، وهو الأصل لجميع أعمال الخير."[۳۲] (اسلوب اور نظم کلام اس بات کی دلیل پیش کر رہے ہیں کہ کتاب اللہ کا مقصد (عمود) توحید ہے اور یہی تمام اعمال خیر کی اساس و اصل ہے۔) ایک سورت کے فواتح اور خواتم کو جس طرح مکتب فراہی میں مربوط و متصل کرنے کا اہتمام پایا جاتا ہے اس طرح مولانا الوانی کے یہاں بھی اس صورت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

علامہ فراہی سورۂ عبس کی آخری آیت: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ [۳۳] کے تحت لکھتے ہیں: "انسان فقر و احتیاج اور اس کے کفر و فجور اور استغنا کی برائی بیان کرنے کے بعد دونوں فریق یعنی ارباط خشیت و تقویٰ اور اہل کفر و فجور کے مآل اور انجام کے بیان پر سورہ کو ختم کیا اور انھی کے بیان سے سورہ شروع ہوئی تھی۔"[۳۴] مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ قصص کے خواتم کو فواتح سے مربوط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی کہ کفار مکہ آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیں گے اور میں آخر الامر آپ کو اس میں داخل کروں گا۔ یہ سورت کی ابتدا یعنی قصہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متعلق ہے، یعنی آخر سورت کو اس سورت کے ساتھ مرتبط کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نکالے گئے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر میں داخل کیا اور ان کے مخالفین کو ہلاک کیا، اسی طرح آپ کے ساتھ بھی یہ ہوگا۔ ڈرومت تکالیف

۲۹۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۸: ۴۷۹۔

۳۰۔ حمید الدین فراہی، **تعلیقات** (اعظم گڑھ: ۲۰۱۰ء)، ۲: ۱۸۸۔

۳۱۔ القرآن ۴۱: ٦۔

۳۲۔ فراہی، **تعلیقات**، ۲: ۱۸۸۔

۳۳۔ القرآن ۸۰: ۴۲۔

۳۴۔ فراہی، **مجموعہ**، ۲۷۸۔

آتی رہتی ہیں اور تسلی کے واسطے: وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً ماقبل کے لیے بطور دلیل لایا گیا، یعنی جیسا کہ آپ کو امید نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب آپ پر نازل ہو گی مگر پھر بھی آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور منزل من اللہ کتاب آپ پر آئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ پھر مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے۔[۳۵]

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں سورہ فاتحہ کو اجمال اور بقیہ قرآن کو اس کی تفصیل قرار دیتے ہیں۔ علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ سورت قرآن کریم کے تینوں علوم کی جامع ہے۔ [۳۶] مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن کریم میں چار مضامین تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان کا خلاصہ اور اجمالی خاکہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے۔ [۳۷] مولانا الوانی کی یہ انفرادیت ہے کہ آپ ان چاروں مضامین کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ، تفصیلاً بھی مربوط کرتے ہیں۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی **تعلیقات** کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سورۂ حدید تا سورۂ تحریم دس سورتوں کو مضمون کے اعتبار سے ایک خیال کرتے ہیں، چناں چہ آپ لکھتے ہیں: ”من الحديد إلى التحريم عشر سور في أمر المنافقين وتحذير المؤمنين عن عاداتهم وكفهم عن موتهم...اعلم أن هذه العشر عمودها تكميلهم في الطاعة والإسلام. وهو تقوى الله وطاعة النبي.“ [۳۸] (سورہ حدید سے سورہ تحریم تک دس سورتیں، منافقین کے متعلق ہیں، اہل ایمان کو ان کی عادات اور محبت سے ڈرایا گیا ہے۔ ان دس سورتوں کا جامع عمود طاعت و تسلیم ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرنا ہے۔)

ان دس سورتوں پر کلام کرتے ہوئے علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے مسبحات کی مناسبت پر بھی بات کی ہے، ان میں سے پانچ سورتوں کی ابتدا ”تسبیح“ کے کلمے سے ہوتی ہے اور پانچ بغیر تسبیح کے پہلی پانچ میں سورۂ حدید، سورۂ حشر اور سورۂ صف ”سَبَّحَ“ فعل ماضی کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ اور سورۂ ممتحنہ کی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے کلمات

۳۵- الوانی، **تسہیل بلغة الحیران**، ۲: ۱۲۶۔

۳۶- فراہی، **مجموعہ**، ۷۹؛ فراہی، **تعلیقات**، ۱: ۹، ۲: ۵۱۴؛ فراہی، **رسائل**، ۱۰۵۔

۳۷- الوانی، **جواہر القرآن**، ۱: ۲۔

۳۸- فراہی، **تعلیقات**، ۲: ۳۱۸- ۳۱۹۔

سے ابتدا ہوئی، دوسری پانچ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ تغابن یُسَبِّحُ فعل مضارع کے ساتھ شروع ہوتی ہیں، جب کہ دو سورتوں طلاق اور تحریم کا آغاز یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ کے خطاب سے ہوتا ہے۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبح فعل ماضی کو یسبح فعل مضارع پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور سورۂ طلاق میں یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ کے کلمات سورۂ ممتحنہ کے آغاز: یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مفہوم میں ہیں۔

آپ ان تمام مناسبتوں کا مقصود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "ذلک يدل على التسوية بين العباد فى التزام الطاعة ويدل على كون النبيﷺ عن أنفسهم... وفيه تسلية المومنين وتنبيه النبي ﷺ على ثقل ذمته." [۳۹] (جہاں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اطاعت و فرماں برداری کے اعتبار سے سب برابر ہیں، وہاں یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانوں میں سے ہیں، اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بھاری ذمے داری پر متنبہ کیا گیا ہے۔)

جہاں تک مولانا حسین الوانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو آپ بھی ان دس سورتوں کو مضمون کے اعتبار سے ایک قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک سورۂ حدید میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں:

۱۔ انفاق فی سبیل اللہ۔ ۲۔ جہاد کی ترغیب

سورۂ حدید کے مابعد چار سورتیں دوسرے مضمون پر متفرع ہیں اور اگلی چار سورتیں سورۂ حدید کے پہلے مضمون پر متفرع ہیں اور سورۂ تحریم میں سورۂ حدید کے دونوں مضامین کا بطور لف و نشر مرتب بمنزلہ تتمہ اعادہ کیا گیا ہے۔[۴۰]

مولانا نے ان سورتوں میں مسبحات کی بڑی خوب صورت مناسبت بیان کی ہے۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ آخری گروپ کے عمود میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مولانا الوانی کے پانچویں اور آخری گروپ کا دعوی (عمود) تخویفات اخرویہ (انذار) اور احوال قیامت ہے۔[۴۱] مولانا اصلاحی کے ساتویں اور آخری گروپ کا جامع عمود بھی انذار ہے۔ مولانا کے الفاظ ملاحظہ ہوں: "اس پورے گروپ کا اصل مضمون انذار

۳۹۔ نفس مصدر، ۲: ۳۱۹۔

۴۰۔ الوانی، **بلغة الحيران**، ۲: ۴۴۹ – ۴۵۰؛ الوانی، **جواہر القرآن**، ۳: ۱۲۱۹۔

۴۱۔ الوانی، نفس مصدر، ۳: ۹۵۲؛ الوانی، **بلغة الحيران**، ۲: ۱۸۷۔

ہے۔ اس کی بیشتر سورتیں مکی زندگی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں انذار کا انداز وہی ہے جس انداز سے حضور نبی کریم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر انذار فرمایا تھا، اس انذار کے تقاضے سے اس میں قیامت اور احوال قیامت کی بھی پوری تصویر ہے۔" (۴۲)

مذکورہ عبارت میں مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں کامل یکسانیت ہے۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ، تخویفات اخرویہ اور احوال قیامت، جب کہ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ، انذار اور احوال قیامت کے الفاظ لاتے ہیں۔

قرآنی سورتوں میں نظم و مناسبت کا اہتمام کرتے ہوئے جن چیزوں کا اہتمام صرف مکتب فراہی کے یہاں ملتا ہے۔ آئندہ سطور میں وہ نکات بیان کیے جائیں گے۔

علامہ فراہی اگرچہ سورتوں کے درمیان اسمی مناسبت کو ملحوظ نہیں رکھتے، لیکن سورت کے نام کو اپنے تصورِ نظم میں ایک خاص پہلو سے اہمیت دیتے ہیں۔ مولانا کے تصور نظم میں چوں کہ عمودِ سورت کو بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے آپ عمود سورت کی تعیین و تلاش میں جن قرائن کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان میں سورت کا نام بھی ہے، مولانا کے یہاں بعض سورتوں کے نام اصلی مدعا اور مقصود کی بنیاد پر ہیں، لہٰذا ان کا نظام بالکل واضح ہے۔ آپ کے نزدیک اگر تمام سورتوں کے نام اسی اصول پر ہوتے تو ہر سورۂ کا نظام بھی واضح ہوتا۔(۴۳) مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات کو علامہ زمخشری کی طرح سورتوں کے قرآنی نام قرار دیتے ہیں اور مولانا کے نزدیک ناموں کا اشتراک سورت کے مضامین مزاج اور عمود کے اشتراک پر دلیل ہے۔(۴۴) مولانا کے نزدیک اگر ایک سورت میں ایک سے زائد مقطعات آجاتے ہیں مثلاً حٰم عٓسٓقٓ تو یہ اس بات کا قرینہ اور اشارہ ہے کہ اس میں کچھ خاص مطالب بھی ہوں گے جو دوسری سورتوں میں نہیں تھے۔(۴۵)

نظم و مناسبت کا التزام کرنے والے مفسرین عموماً فاتح سورت کو مکمل سورت سے مربوط کرتے ہیں، علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی براعتِ استہلال (حُسنِ ابتدا) کی بنیاد پر فاتحۂ سورت کی سورت کے مضامین سے مناسبت قائم کرتے ہیں۔

۴۲۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۸: ۴۷۹۔

۴۳۔ فراہی، **مجموعہ**، ۶۰۔

۴۴۔ اصلاحی، مصدرِ سابق، ۷: ۱۷، ۷۷، ۱۳۹۔

۴۵۔ مصدرِ سابق۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ براعت ختام (حسنِ اختتام) کی بنیاد پر سورت کے خاتمے کو سورت کے مضامین سے مربوط کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی نے بہت سے مقامات پر خاتمۂ سورت کو سورت کے مضامین سے اسی اسلوب و اصول کے تحت مربوط کیا ہے۔

سورۂ مرسلات کا خاتمہ

﴿فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ [۴۶] کی تفسیر میں علامہ فراہی رقم طراز ہیں: "یہ خاتمے کی ایک جامع آیت ہے جس نے ان تمام مضامین کی طرف انگلی اٹھا دی ہے جو از قبیل دلائل و از قسم ترغیب و ترہیب اوپر بیان ہوئے تھے۔"[۴۷] فراہی مکتبِ فکر کے یہاں دو مختلف سورتوں کے فواتح کی باہمی مناسبت کے علاوہ سورتوں کے خواتم میں ارتباط و تناسب پر بھی بحث ملتی ہے۔ جس طرح دو مختلف سورتوں کے فواتح میں کلمات یا معنی و مفہوم کی یکسانیت اور مناسبت پائی جاتی ہے، بالکل اسی طرح دو مختلف سورتوں کے خواتم میں بھی باہمی مناسبت پائی جاتی ہے۔

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے خواتم کو مربوط کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس مجموعۂ آیات (۲۰۰-۱۹۰) کی حیثیت خاتمہ سورہ کی ہے اور یہ خاتمہ موازنہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ بہت کچھ ملتا جلتا ہوا ہے سورۂ بقرہ کے خاتمہ سے، خاص طور پر اس میں جو دعا ہے وہ تو بالکل عکس ہے اس دعا کا جس پر سورہ بقرہ ختم ہوئی۔"[۴۸]

علامہ فراہی نے تعوذ اور قرآن کریم کی آخری دو سورتوں، جو معوذتین کے نام سے معروف ہیں، کی باہمی مناسبت پر بھی بات کی ہے۔ علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ سورتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے آغاز میں موجود تعوذ اور اختتام میں معوذتین کے درمیان بھی مناسبت قائم کرتے ہیں۔ سورہ الناس کے آغاز میں لکھتے ہیں: "ابتدأ القرآن بالاستعاذہ وختمه بها."[۴۹] (دونوں استعاذہ (شیطان سے پناہ طلب کرنے سے) ہوئی۔)

۴۶- القرآن ۷۷: ۵۰۔

۴۷- فراہی، **مجموعہ**، ۲۴۵۔

۴۸- اصلاحی، مصدرِ سابق، ۱: ۲۲۳۔

۴۹- فراہی، **مجموعہ**، ۸۲۔

علامہ فراہی ؒ سورۂ اخلاص کو قرآنِ کریم کا خاتمہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"قرآن پر بحیثیت مجموعی غور کرو تو نظر آئے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ اسلام کے اصول ظاہری اور باطنی کی تفصیل کرتا ہوا کمال فتح و نصرت، مخالفین کی ہلاکت اور تکمیل فرض نبوت تک پہنچتا ہے اسکے بعد سورہ اخلاص آخری عہد کی حیثیت سے نمودار ہوتی ہے۔"(۵۰)

اپنی کتاب **دلائل النظام** میں فاتحۂ قرآن اور خاتمۂ قرآن کو یوں مربوط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سورة واحدة (الإخلاص) كالخاتمة للقرآن... وهي مشابهة بالفاتحة في أولها توحيد وآخرها إبطال بدعة اليهود والنصارى." (۵۱) (اس اکیلی سورت (اخلاص) کو قرآن کریم کے خاتمے کی حیثیت حاصل ہے........ اور یہ سورۂ فاتحہ سے اس طرح مشابہ ہے کہ اس کے آغاز میں توحید اور اختتام میں یہود ونصاریٰ کی بدعت (شرک) کا ابطال ہے۔)

علامہ فراہی، فاتحۂ قرآن اور خاتمۂ قرآن میں مشابہت و مناسبت کی مزید تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:"الفاتحة والخاتمة متشابهتان مثلا: (اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ) يشبه (اَللهُ الصَّمَدُ) و (لَمْ يَلِدْ) في اليهود (الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ)، (وَلَمْ يُوْلَدْ) في النصارى مثل (الضَّآلِّيْنَ) فهذا من العود على البدء. (۵۲) (سورہ فاتحہ اور خاتمۂ قرآن دونوں باہم متشابہ اور متناسب ہیں مثلا: (اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ) (اَللهُ الصَّمَدُ) سے متشابہ ہے (لَمْ يَلِدْ) یہود کے بارے میں (الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) سے مماثل ہے اور (وَلَمْ يُوْلَدْ) نصاریٰ کے بارے میں (الضَّآلِّيْنَ) سے ملتا جلتا ہے۔ سو یہ مناسبت اور تشابہ عود علی البدء کے اسلوب پر ہے۔) علامہ فراہی ؒ کے نزدیک جس طرح بعض قرآنی آیات معترضہ ہوتی ہیں، اس طرح بعض سورتیں بھی معترضہ ہوتی ہیں، آپ کے الفاظ اس طرح ہیں: "كما أن الآيات ربما تكون معترضة فكذلك ربما تكون السور معترضه." (۵۳)

۵۰- فراہی، **رسائل**، ۱۱۰۔

۵۱- نفس مصدر۔

۵۲- نفس مصدر

۵۳- فراہی، **رسائل**، ۸۷۔

جہاں تک قرآنی آیات میں "اعتراض" کے اصول کا تعلق ہے تو یہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ماہرین علوم قرآنیہ اور نظم و مناسبت کے لزوم و وقوع کا نظریہ رکھنے والے سبھی مفسرین کے یہاں ملتا ہے، لیکن سورتوں کے درمیان کسی سورت کے معترضہ ہونے کا تصور صرف علامہ فراہی کے یہاں پایا جاتا ہے۔

سورتوں کے جوڑا جوڑا ہونے کا تصور علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی کے یہاں پایا جاتا ہے، چناں چہ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کے متعلق مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"المزمل والمدثر توأمان في حث النبيﷺ على التشمير و دعوة الناس والصبر والصلوة والرجاءمن القرآن الذي يهدي الله به من يشاء"[۵۴] (سورہ مزمل اور سورہ مدثر جڑواں ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ کو کام میں تیزی لانے، لوگوں کو (اسلام کی طرف) بلانے، صبر، نماز اور اس قرآن سے لو لگانے کی تلقین کی گئی ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔)

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ نظم کے بعض امتیازی پہلو

آئندہ سطور میں وہ نکات بیان ہوں گے جن کا التزام صرف مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ سورتوں کے درمیان دو طرح کا ربط قائم کرتے ہیں:

۱۔ ربط اسمی، جسے کہیں کہیں مولانا ربط نامی سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

۲۔ ربط معنوی

مولانا ہر سورت کا ماقبل سورت کے ساتھ پہلے ربط رسمی پھر ربط معنوی بیان کرتے ہیں۔ سورۂ انعام کا مائدہ کے ساتھ ربط اسمی (نامی) بیان کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تم پر اپنے انعامات کا مائدہ (دستر خوان) نازل فرمائے گا، بشرطے کہ تم انعام و حرث (چوپایوں اور کھیتیوں) میں غیر اللہ کی نیازیں نہ دو اور غیر اللہ کی تحریمیں نہ کرو۔"[۵۵] جہاں تک ربط معنوی کا تعلق ہے تو علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ سورتوں کے درمیان اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ربطِ اسمی کا ذکر نہیں ملتا۔

۵۴۔ فراہی، **تعلیقات**، ۲: ۳۹۳۔

۵۵۔ الوانی، **جواہر القرآن**، ۱: ۳۰۵۔

مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جب آپ سورتوں کے مختصر مگر مربوط خلاصے بیان کرتے ہیں تو آپ سورتوں کو اجزا اور مقاطع میں تقسیم کرتے ہیں، مثلاً: سورۂ انفال کے متعلق آپ لکھتے ہیں: "سورۂ انفال کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ سورت کی ابتدا سے لے کر رکوع چار میں (نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ) تک ہے اور دوسرا حصہ اس کے متصل بعد (وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ) سے لے کر سورت کے آخر تک ہے، دونوں حصوں میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں: مضمون اول، مال غنیمت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرو، مضمون دوم، قوانین جہاد۔"(۵۶)

مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کو نظم قرآن میں اجتہادی ملکہ اور خداداد بصیرت حاصل تھی۔ آپ سورتوں کے مابین ربط کی ایک سے زائد صورتیں بیان کرتے ہیں، مثلاً: سورۂ اعراف اور انعام کے مابین چھے طرح کا ربط قائم کیا ہے۔ مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سورت کی آیات مربوط کرتے ہوئے جن نظمی عناصر کو بنیاد بناتے ہیں، سورتوں کی باہمی مناسبت میں بھی بسا اوقات انھی کو بنیاد بناتے ہیں۔ مثلاً ایک سورت کا نظم جن عناصر ترکیبی سے ترتیب و تشکیل کے عمل سے گزرتا ہے، ان میں سے کوئی عنصر قابل بیان تھا کہ اگلی سورت کا آغاز ہو گیا تو مولانا اسی عنصر کو ماقبل سورت کے ساتھ ربط کا سبب بناتے ہیں۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ اخلاص کو خاتمۂ قرآن قرار دے کر سورۂ فاتحہ سے مربوط کرتے ہیں۔ جہاں تک مولانا الوانیؒ کا تعلق ہے تو اگرچہ آپ سورۂ اخلاص کو ماقبل مکمل قرآن کا مختصر خلاصہ قرار دیتے ہیں، لیکن خاتمۂ سورۂ الناس ہی کو خیال کرتے ہیں، لہٰذا آپ سورۂ اخلاص کے بجائے سورۃ الناس کا سورۂ فاتحہ سے نہایت خوب صورت ربط یوں بیان کرتے ہیں۔ "سورۂ فاتحہ میں توحید کے تین مراتب کا ذکر ہوا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی پیدا کر کے پالنے والا، سورۂ الناس میں بیان ہوا ہے اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ فاتحۂ میں فرمایا: مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سورۂ الناس میں فرمایا: مَلِکِ النَّاسِ فاتحہ میں فرمایا: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، سورۂ الناس میں فرمایا: وہ جس کی عبادت کی جائے اور جس سے مانگا جائے وہ اللہ تعالیٰ جو الٰہ الناس ہے۔"

علاوہ ازیں مولانا کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ:

۱۔ قرآنی سورتوں کے مربوط مختصر اور تفصیلی خلاصے بیان کرتے ہیں۔

۵۶۔ الوانی، بلغۃ الحیران، ۱: ۳۰۹۔

۲۔ ایک آیت کو مکمل سورت کا خلاصہ قرار دیتے ہیں۔
۳۔ ایک سورت کو کئی سورتوں کے خلاصے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔
۴۔ ایک آیت کو مکمل قرآن کا خلاصہ قرار دیتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخِ تفسیر میں نظمِ قرآن کی نظریہ کاری کے حوالے سے منفرد مقام حاصل ہے۔ بلاشبہ آپ ایک قابل قدر مفسر ہیں اور قرآنی معارف و حکم سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے آپ کی تفسیری نگارشات میں بیش قیمت نکات موجود ہیں، لیکن جہاں تک نظریۂ نظم قرآن کا مکمل قرآن پر اطلاق وانطباق کا تعلق ہے تو علامہ فراہی اپنے تصورِ نظم کو (دار فانی سے کوچ کے جانے کے سبب) سوائے چند سورتوں کے مکمل نہ کر سکے۔ اگرچہ آپ کے تفسیری حواشی **تعلیقات** کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، لیکن یہ حواشی فہم نظم قرآن میں معاون ہونے کے باوجود حواشی کی حیثیت رکھتے ہیں، کامل تفسیر کی نہیں۔ آپ کے تلمیذ رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے آپ کے تصورِ نظم کو عملی جامہ پہنانے کی مقدور بھر سعی کی ہے۔ علامہ فراہی نظم کلام پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ شان نزول تک کو سیاق قرآنی سے اخذ کرنے کا نظریہ رکھتے ہیں اور کسی خارجی ذریعے یعنی صحیح احادیث کو بھی قبول نہیں کرتے، علاوہ ازیں جہاں تک آپ کے تصورِ نظم کے فکری ورثا کا تعلق ہے، تو ان کے یہاں واضح اختلافات ملتے ہیں۔

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیان کردہ تصورِ نظم کو مکمل قرآن پر منطبق کرنے میں بہر طور پر کامیاب رہے ہیں۔ آپ نے اپنے تصورِ نظم قرآن کو نہ صرف خود منقح کیا، بلکہ اپنے تلامذہ کو اس کی سبقًا سبقًا تعلیم بھی دی۔

مثلاً آپ کے نزدیک ایک سورت کا داخلی نظام درج ذیل نظمی عناصر سے بتدریج پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے:

کیا،

۱۔ دعوائے سورت	۲۔ دلیل
۳۔ تنویری دعوی	۴۔ تخویف
۵۔ تبشیر	۶۔ شکوی
۷۔ تسلیہ یا تسلی	۸۔ امور مصلح

۹- اندماج	۱۰- ادخالی الٰہی
۱۱- ثمرہ	۱۲- تمہید
۱۳- تتمہ	۱۴- اعادہ برائے بعد عہد
۱۵- خاتمہ	

مولانا الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کس طرح ایک سورت دعوائے سورت کی روشنی میں مذکورہ نظمی عناصر سے ترکیب و تنظیم کے بعد وحدت کی شکل اختیار کرتی ہے؛ ذیل کے وضاحتی نقشے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

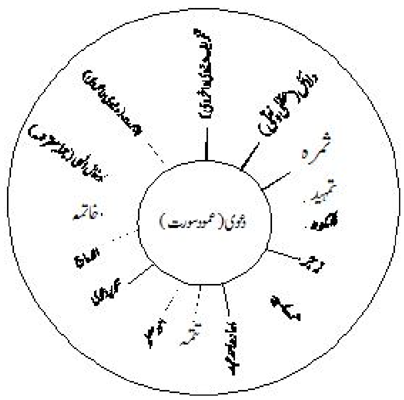

مولانا قرآن کریم کی ہر سورت کو شروع سے آخر تک اسی اسلوب پر مربوط و منسلک کرتے ہیں۔ الغرض مولانا نے اپنے بیان کردہ تصور نظم کو جس طرح مکمل قرآن پر عملاً منطبق کر کے دکھایا ہے، ساتھ ہی شانِ نزول اور صحیح روایات کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے کہ کہیں بھی انکار و استخفاف حدیث کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ مولانا کے تصورِ نظم کی ایک اور منفرد خوبی یہ ہے کہ آپ اور آپ کے تلامذہ میں، دعوائے سورت اور سورت کے عناصر نظمی کو بیان کرتے ہوئے کہیں اختلاف نہیں ملتا۔ راقم کے نزدیک شیخ نے نظمِ قرآن کے باب میں جس منہج اور اصول و قواعد کو متعین کر دیا، تلامذہ نے ان سے سر مو انحراف نہیں کیا۔

❁❁❁❁❁